ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 2911

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ (شعبہ حدیث وعلوم حدیث)

کوڈ: برصغیر میں علم حدیث (2911)

سطح: بی ایس (علوم اسلامیہ) • کریڈٹ: 3

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 2 (یونٹ نمبر 5-9)

کل نمبر: 100 • کامیابی کے نمبر: 50

حل شدہ اسائنمنٹ گائیڈ

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ گائیڈ صرف مطالعہ اور حوالے کے مقصد کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ وہ کورس کی کتاب کے متعلقہ یونٹس غور سے پڑھیں، مضامین کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر اسائنمنٹ اپنے الفاظ میں لکھیں۔ اس گائیڈ کو ہو بہو نقل کرنے کے بجائے اپنی فہم کے مطابق تحریر کریں۔ جہاں کسی تاریخی تفصیل کی حتمی تصدیق درکار ہو وہاں کورس کی کتاب اور مستند کتبِ تاریخ و سِیَر سے رجوع کریں، اور جہاں کسی دینی مسئلے میں قطعی رائے درکار ہو وہاں اہلِ علم اور مستند علماء کی طرف رجوع کریں۔

سوال نمبر 1: پاکستان کے علماء کی حدیث کے میدان میں خدمات (20 نمبر)

سوال نمبر 1۔ حدیث کے میدان میں پاکستان کے علماء کی خدمات پر مختصر نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

1947ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو اس نئی مملکت کو دینی علمی ورثہ ورثے میں نہیں ملا بلکہ بنانا پڑا۔ ہجرت کے بعد دہلی، دیوبند اور لکھنؤ جیسے مراکز سے منقطع ہونے کے باوجود پاکستان کے علماء نے حدیث کی تدریس، تصنیف، ترجمہ، تحقیق اور اشاعت کے میدان میں وہ کام کیا جس کی بدولت یہ ملک آج عالمِ اسلام میں علمِ حدیث کے بڑے مراکز میں شمار ہوتا ہے۔ سوال مختصر نوٹ کا متقاضی ہے، اس لیے اس جواب میں خدمات کو نمائندہ شخصیات اور اداروں کے ذریعے جامع مگر مناسب اختصار کے ساتھ پیش کیا جائے گا۔ بنیادی میدان چار ہیں: تدریس، شروح و تصانیف، تراجم و اشاعت، اور تحقیق و دارہ بندی۔ ہر میدان میں پاکستانی علماء کی خدمات کا ایک سرسری جائزہ بھی اس حقیقت کو واضح کر دے گا کہ یہ کام کسی ایک مکتب یا شہر تک محدود نہیں رہا بلکہ کراچی سے پشاور اور لاہور سے کوئٹہ تک پھیلا ہوا ہے۔

تدریس کے میدان میں خدمات

خدمات کی بنیاد تدریس ہے اور پاکستان کے مدارس میں دورۂ حدیث اس نظام کا سب سے روشن حصہ ہے۔ دار العلوم کراچی میں مفتی محمد شفیع کی سرپرستی میں اور بعد میں ان کے صاحب زادوں و تلامذہ کے ذریعے بخاری و مسلم کی تدریس کا بلند معیار قائم ہوا۔ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں مولانا محمد یوسف بنوری نے ترمذی کی تدریس کو خاص شہرت دی اور ان کے درس کی افادات آج بھی طلبہ کے لیے مرجع ہیں۔ لاہور میں جامعہ اشرفیہ اور دیگر مدارس میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی جیسے محدثین نے حدیث پڑھائی؛ کاندھلوی ہجرت کر کے پاکستان آئے اور یہاں تدریس و تصنیف دونوں میدانوں میں نام پیدا کیا۔ دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی، جامعہ فاروقیہ کراچی، جامعہ دار العلوم صدیقیہ اور صوبوں کے بڑے مدارس میں بھی نامور اساتذۂ حدیث نے نسلیں تیار کیں۔ ان درس گاہوں سے فارغ ہونے والے ہزاروں علماء ملک کی مساجد و مدارس میں حدیث پڑھا رہے ہیں۔ تدریس کے اس تسلسل نے پاکستان میں اسناد کی روایت کو بھی زندہ رکھا، کیونکہ یہاں کے اساتذہ کی اسناد دیوبند و سہارنپور اور ان کے واسطے سے دہلی و حجاز تک جاتی ہیں۔

شروح وتصانیف کے میدان میں خدمات

پاکستانی علماء کی دوسری بڑی خدمت کتبِ حدیث کی شروح اور مستقل تصانیف ہیں۔ مولانا محمد یوسف بنوری کی 'معارف السنن' شرح جامع ترمذی اردو و عربی علمی حلقوں میں معتبر شرح مانی جاتی ہے، اگرچہ اس کی تکمیل ان کی زندگی [illegible] ہو سکی۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے بھی حدیث و سیرت پر متعدد تصانیف چھوڑیں۔ گوجرانوالہ کے مولانا محمد سرفراز خان صفدر نے امامِ اہل سنت کے لقب کے ساتھ حدیث، عقائد اور [illegible] پر لکھا اور ان کے دروس و تصانیف نے پنجاب کے علمی ماحول پر گہرے اثرات ڈالے۔ مفتی محمد تقی عثمانی نے حدیث و فقہ کے ساتھ معاصر مسائل پر لکھا اور ان کی نگرانی میں حدیث [illegible] تحریر و تحقیق کے ادارے چل رہے ہیں؛ ان کی انگریزی و اردو تحریروں نے پاکستانی علم کو عالمی قاری تک پہنچایا۔ اس کے علاوہ سینکڑوں علماء نے صحاح کی منتخب کتابوں، اربعینات اور موضوعاتی مجموعوں پر حواشی، تقریرات اور درسی افادات مرتب کیں جو مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ تقریراتِ درس کی اشاعت پاکستانی روایت کی خاص پہچان ہے: استاد کا درس شاگرد مرتب کرتا ہے اور یوں ایک نسل کا فہم اگلی نسل تک پہنچ جاتا ہے۔

تراجم واشاعت کے میدان میں خدمات

تیسری خدمت حدیث کو اردو قاری تک پہنچانا ہے۔ پاکستان کے اشاعتی اداروں اور علماء نے صحاحِ ستہ کے اردو تراجم، مشکاۃ و ریاض الصالحین جیسی کتابوں کے متعدد ایڈیشن، اور عوامی منتخبات شائع کیے۔ کراچی و لاہور کے دینی ناشرین نے حدیث کی کتابوں کو خوبصورت اور سستے ایڈیشنوں میں گھر گھر پہنچایا۔ دار الاشاعت، مکتبہ قدوسیہ، ادارہ اسلامیات اور مدارس کے اشاعتی شعبے اس میدان کے نمایاں نام ہیں۔ ہفت روزہ و ماہنامہ جرائد میں حدیث کی تشریح، دروس اور تحقیقات شائع ہوتی رہیں؛ بعض رسائل نے حدیث نمبر و موضوع کے اشاریے (انڈیکس) سازی کا کام بھی کیا۔ آڈیو دروس اور بعد میں ڈیجیٹل صورتوں نے بھی اشاعت کو وسعت دی، مگر اس پورے عرصے میں بنیادی کام علماء کا رہا: متن کی تصحیح، ترجمے کی نظر ثانی اور شرح کی تیاری۔ ترجمے کے میدان میں ایک اہم پہلو اصطلاحات کا اردو میں منتقل ہونا ہے؛ آج اردو میں اصولِ حدیث کی مکمل اصطلاحی زبان موجود ہے جس میں پاکستانی علماء کا حصہ نمایاں ہے۔

تحقیق وادارہ سازی کے میدان میں خدمات

چوتھی خدمت تحقیق اور ادارے ہیں۔ پاکستان میں حدیث کی تحقیق کے لیے مدارس کے تحقیقی شعبے، جامعات کے شعبہ جات اور مستقل ادارے قائم ہوئے۔ کراچی میں ادارۂ معارفِ اسلامی جیسی کوششوں سے لے کر جامعہ کراچی، پنجاب یونیورسٹی اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے تحقیقی مجلات تک، حدیث پر مقالات شائع ہوتے رہے ہیں۔ مولانا عبدالرشید نعمانی جیسے محققین نے علمِ حدیث کی تاریخ و رجال پر تحقیقی کام کیا اور ان کی تحریریں اس میدان کی سنجیدہ مثال ہیں۔ بعض علماء نے مخطوطات کی تلاش و اشاعت، کتب کی علمی ایڈیٹنگ (تحقیقِ متن) اور حدیث کے موضوعاتی اشاریوں پر کام کیا۔ مدارس کے دار الافتاء بھی بالواسطہ خدمتِ حدیث کرتے ہیں، کیونکہ ہر فتویٰ اپنی دلیل میں حدیث سے استناد کرتا ہے اور یوں حدیث عوامی مسائل سے جڑی رہتی ہے۔ بین الاقوامی سطح پر پاکستانی محدثین کے شاگرد افریقہ، یورپ اور امریکہ تک پھیلے ہوئے ہیں، جہاں وہ یہی نصاب پڑھا رہے ہیں؛ یہ پاکستانی خدمت کا عالمی دائرہ ہے۔

جدول 1: پاکستان کے چند نمائندہ علماء اور حدیث میں ان کی خدمت کا میدان

عالم / ادارہ	مرکز	نمایاں خدمت
مفتی محمد شفیع و دار العلوم کراچی	کراچی	ادارہ سازی، تدریسِ حدیث کی سرپرستی، علمی نسل کی تیاری
مولانا محمد یوسف بنوری	کراچی	معارف السنن شرح ترمذی؛ دورۂ حدیث کی تدریس
مولانا محمد ادریس کاندھلوی	لاہور	تدریس و تصنیف؛ ہجرت کے بعد علمی مرکزیت
مولانا محمد سرفراز خان صفدر	گوجرانوالہ	دروس، تصانیف اور پنجاب میں حدیث کی اشاعت
مفتی محمد تقی عثمانی	کراچی	تدریس، تحقیق اور عالمی زبانوں میں علم کی منتقلی

مجموعی جائزہ

ان خدمات کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ پاکستان میں حدیث کا علم نہ صرف محفوظ رہا بلکہ پھیلا بھی۔ اول، نصاب و تدریس کا وہ نظام جو تقسیم سے ٹوٹ سکتا تھا، یہاں دوبارہ قائم ہوا اور پہلے سے بڑا ہو گیا۔ دوم، اردو قاری کے لیے حدیث کا ذخیرہ پہلے سے کہیں زیادہ آسانی سے دستیاب ہوا۔ سوم، تحقیق و شرح نویسی نے پاکستانی علم کو عالمی علمی گفتگو سے جوڑا۔ البتہ چیلنج بھی موجود ہیں: مخطوطات کی اشاعت کی رفتار کم ہے، حدیث کی ڈیجیٹل تحقیق میں وسائل کی کمی ہے، اور مدارس و جامعات کے درمیان ربط مزید بڑھانے کی گنجائش موجود ہے۔ اس کے باوجود منصفانہ جائزہ یہی ہے کہ پاکستانی علماء نے مشکل حالات میں علمِ حدیث کی ایسی خدمت کی ہے جو اس خطے کی تاریخ میں دیوبند و دہلی کے عروج کے بعد کا سب سے بڑا باب ہے۔

نتیجہ

مختصراً یہ کہ پاکستان کے علماء نے حدیث کے میدان میں چاروں بڑی خدمات انجام دی ہیں: انہوں نے دورۂ حدیث کی تدریس سے اساتذہ پیدا کیے، معارف السنن جیسی شروح اور تقریرات سے علمی ذخیرہ بڑھایا، تراجم و اشاعت سے حدیث کو عوام تک پہنچایا، اور تحقیقی اداروں و مجلات سے اس علم کو جدید دور سے جوڑا۔ یہ خدمات کسی ایک شخص کی نہیں، ایک پوری علمی برادری کی ہیں، اور انہی کی بدولت آج پاکستان کا طالب علم اپنے ہی ملک میں اعلیٰ اسناد کے ساتھ حدیث حاصل کرتا ہے۔ طالب علم کو چاہیے کہ اس نوٹ کو پڑھتے ہوئے یہ اصول ذہن میں رکھے کہ علم کی خدمت ہمیشہ اداروں، اساتذہ اور کتابوں — تینوں کے مجموعے سے ہوتی ہے۔

سوال نمبر 2: شاہ اسحٰق دہلوی کے مرکزِ حدیث کے نتائج و اثرات (20 نمبر)

سوال نمبر 2۔ شاہ اسحٰق دہلوی کے مرکزِ حدیث کے نتائج و اثرات تفصیل سے لکھیں۔ (20)

تعارف

شاہ اسحٰق دہلوی (1196ھ/1197ھ۔1262ھ) خاندانِ ولی اللہی کی تیسری نسل کے عظیم محدث ہیں۔ وہ شاہ عبد العزیز کے نواسے اور ان کے نامزد جانشین تھے۔ ان کی زندگی کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے: دہلی کا دور، جس میں انہوں نے مدرسہ رحیمیہ کی مسند سے ہندوستان بھر میں حدیث پڑھائی، اور مکہ مکرمہ کا دور، جس میں ہجرت کے بعد وہ حرم کی درس گاہ سے ہندوستانی طلبہ اور حجاز کے اہلِ علم کو فیض پہنچاتے رہے۔ اس سوال میں 'مرکزِ حدیث' سے مراد یہی دوہرا نظام ہے: دہلی کی درس گاہ اور پھر مکہ کی درس گاہ، جن کے درمیان شاہ اسحٰق کی شخصیت پل کا کام کرتی تھی۔ ان کے مرکزی ذہن اثرات کا مطالعہ اس لیے اہم ہے کہ مؤرخینِ حدیث کے مطابق ان کے بعد ہندوستان میں حدیث کی اسناد کا بڑا حصہ انہی کے واسطے سے چلنے لگا، یعنی ان کا مرکز قومی سطح کی سند کا شاہراہ بن گیا۔

مرکز کی تشکیل: دہلی کا دور

شاہ اسحٰق نے علم اپنے نانا شاہ عبد العزیز سے حاصل کیا؛ صرف و نحو و فقہ کی ابتدائی تعلیم خاندان کے اساتذہ سے پائی، اور حدیث میں نانا سے سند و اجازہ حاصل کیا۔ شاہ عبد العزیز نے انہیں اپنا جانشین مقرر کیا اور اپنی کتب و علمی میراث ان کے سپرد کی۔ ان کے انتقال کے بعد شاہ اسحٰق مدرسہ رحیمیہ کے صدر بنے اور برسوں دہلی میں صحاحِ ستہ کی تدریس کی۔ ان کے درس کی خصوصیت اسناد پر غیر معمولی توجہ تھی؛ وہ طلبہ کو صرف کتاب نہیں پڑھاتے تھے بلکہ ہر طالب علم کو اپنے سلسلۂ سند سے جوڑ کر فارغ کرتے تھے۔ دہلی اس دور میں سیاسی طور پر کمزور ہو چکی تھی، مگر اس درس گاہ کی کشش نے سندھ، پنجاب، راجستھان، بنگال اور جنوبی ہند تک کے طلبہ کو کھینچا۔ ان کے تلامذہ کی فہرست میں سید نذیر حسین محدث دہلوی، شیخ عبد الغنی مجددی دہلوی (بعد میں مہاجرِ مدنی)، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا عبد الرحمٰن پانی پتی، مولانا قطب الدین دہلوی اور مفتی عنایت احمد کاکوروی جیسے نام آتے ہیں — یہی نام آگے چل کر ہندوستان کے ہر بڑے علمی مرکز کی بنیاد بنے۔ درمیان میں انہوں نے ایک حج بھی کیا اور مکہ کے اہلِ علم سے اسناد حاصل کر کے اپنے سلسلے کو تازہ کیا۔

ہجرت اور مکہ کا مرکز

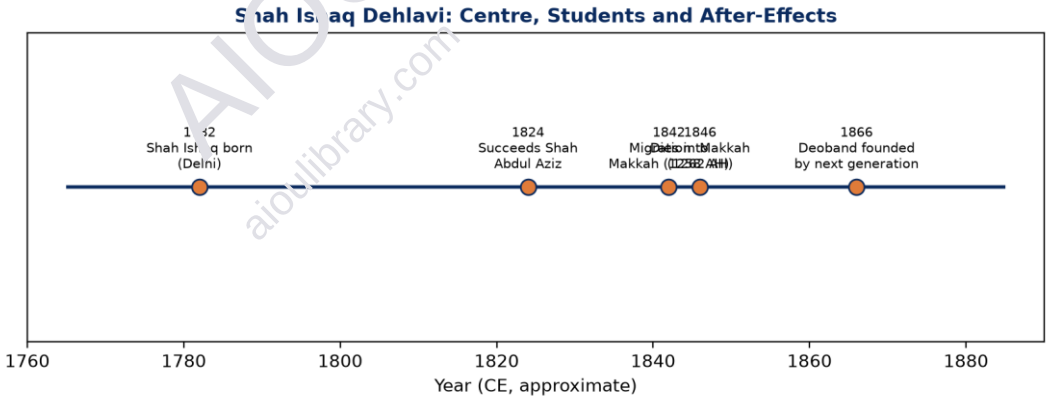
1258ھ میں شاہ اسحٰق اپنے اہل وعیال کے ساتھ مکہ مکرمہ منتقل ہو گئے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ یہ ہجرت بظاہر ایک مرکز کا خاتمہ لگتی ہے، مگر نتائج کے اعتبار سے یہ مرکز کی توسیع ثابت ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر سال ہزاروں ہندوستانی حاجی وطالب علم مکہ آتے تھے؛ اب انہیں وہیں ایک ہندوستانی محدث میسر تھا جس سے وہ حدیث پڑھ کر اعلیٰ اسناد لے کر وطن لوٹتے تھے۔ حجاز کے اہلِ علم نے بھی ان سے استفادہ کیا اور ان کی مجلس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ سوانح نگاروں نے ان کی علمی جلالت کے بارے میں مکہ کے اساتذہ کے تاثرات نقل کیے ہیں جن سے ان کے مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔ مکہ میں ان کا انتقال 1262ھ میں ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔ یوں ان کی زندگی کا آخری حصہ اس ربط کو مستحکم کر گیا جو ہندوستان اور حجاز کے درمیان اسناد کا سب سے مضبوط ذریعہ تھا۔ مرکز کے قائم رہنے کا اصل راز یہ تھا کہ مرکز شخصیت سے بڑھ کر سلسلہ بن چکا تھا: دہلی میں ان کے شاگرد درس دے رہے تھے اور مکہ میں وہ خود۔

نتیجہ اول: اسنادِ ہند کا ان کے واسطے سے متحد ہو جانا

شاہ اسحٰق کے مرکز کا سب سے بڑا نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کی حدیثی اسناد بڑی حد تک ایک مرکزی سلسلے میں سما گئیں۔ مؤرخین وتذکرہ نگاروں نے صراحت کی ہے کہ ان کے اور ان کے تلامذہ کے فیض سے ایک وقت ایسا آیا جب ہندوستان میں حدیث کی کوئی بڑی سند ایسی نہ رہی جو اس سلسلے سے نہ گزرتی ہو۔ اس اتحاد کے تین فائدے ہوئے: اول، اسناد کی جانچ پرکھ آسان ہو گئی، کیونکہ سب سلسلے ایک معروف درخت کی شاخیں تھے۔ دوم، چھوٹے شہروں کے اساتذہ بھی عالمی سلسلے سے جڑ گئے، جس سے ان کے درس کا وقار بڑھا۔ سوم، اگلی نسل کے لیے 'ثبت' و اجازہ نویسی کا رجحان بڑھا اور سندی دستاویزات محفوظ ہونے لگیں۔ سند کا یہ اتحاد محض تکنیکی بات نہیں؛ اس نے ہندوستانی علماء کو ایک علمی برادری میں بدل دیا جس میں دہلی کا فارغ پشاور اور مدراس کے فارغ سے سند کے رشتے میں بھائی تھا۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر دیوبند وندوہ جیسے بڑے نیٹ ورک کھڑے ہوئے۔

نتیجہ دوم: تلامذہ کے ذریعے مراکز کا جال

دوسرا بڑا نتیجہ تلامذہ کے ذریعے نئے مراکز کا قائم ہونا ہے۔ سید نذیر حسین دہلوی نے دہلی ہی میں درس جاری رکھا اور ان کے ہزاروں شاگرد برصغیر میں پھیلے؛ ان کا حلقہ آگے چل کر اہلِ حدیث مکتب کی سندی بنیاد بنا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری نے سہارنپور میں تدریس و تصحیحِ کتب کا کام کیا اور صحاح کے نسخوں کی تصحیح میں ان کا نام آج بھی آتا ہے؛ سہارنپور بعد میں مظاہر علوم کا شہر بنا۔ شیخ عبد الغنی مجددی مدینہ منورہ منتقل ہوئے اور وہاں سے ہندوستانی طلبہ کی رہنمائی کرتے رہے؛ دیوبند کے بانیوں میں سے کئی بزرگ ان سے یا ان کے واسطے سے وابستہ تھے۔ مفتی عنایت احمد کاکوروی نے تصنیف و تدریس سے فیض پہنچایا۔ غور کریں تو دیوبند (1866ء) کے قیام سے پہلے ہی اس کے اساتذہ کا سندی خاکہ شاہ اسحٰق کے مرکز میں تیار ہو چکا تھا۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا اصل کارنامہ ادارہ نہیں، انسان سازی تھا—اور انسان ہی آگے ادارے بناتے ہیں۔



شکل 1: شاہ اسحٰق دہلوی، ان کے مرکز اور تلامذہ کے اثرات کی زمانی و سندی ترتیب

نتیجہ سوم: روشِ تدریس اور متن کی تصحیح

تیسرا نتیجہ تدریس کے انداز سے متعلق ہے۔ شاہ اسحٰق کے مرکز میں حدیث کی تدریس کا وہ نمونہ پختہ ہوا جس میں متن کے ساتھ سند، رجال اور مشکل مقامات کی تشریح بھی شامل ہوتی تھی۔ ان کے تلامذہ نے اسی روش کو اپنے شہروں میں منتقل کیا۔ مولانا احمد علی سہارنپوری کی نسخوں کی تصحیح اسی ذوق کا ثمرہ تھی: جب ہندوستان میں صحاح چھپنے لگے تو ان کے مصحح نسخے معیار بنے۔ اس کے علاوہ ان کے مرکز نے فارسی و عربی سے اردو کی طرف منتقلی کے دور میں بھی توازن رکھا؛ درس عربی متن پر ہوتا رہا، مگر طلبہ کی تفہیم کے

لیے مقامی زبان کی مدد لی جاتی رہی، جو بعد کے مدارس کا عام اصول بنی۔ ایک اور اثر یہ ہوا کہ حدیث کی تدریس کسی ایک فقہی مکتب کی جاگیر نہ رہی؛ ان کے حلقے سے مختلف رجحانات کے اہلِ علم نکلے، جن میں آگے چل کر فکری اختلاف بھی پیدا ہوئے، مگر سند و درس کا اشتراک سب کے پاس رہا۔ یہی اشتراک برصغیر کی علمی زندگی کو ٹوٹنے سے بچاتا رہا ہے۔

مجموعی اثرات کا تنقیدی جائزہ

اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بھی نوٹ کرنا چاہیے کہ یہ مرکز اپنے زمانے کی حدود میں قائم تھا۔ مطبوعہ شروح، تحقیقی مجلات اور بڑی جامعات کا دور ابھی نہیں آیا تھا؛ کام کا بوجھ اشخاص پر تھا اور ادارہ جاتی تسلسل کمزور تھا، یہی وجہ ہے کہ دہلی کا مرکز ان کی ہجرت کے بعد ویسا نہ رہا۔ نیز سیاسی انتشار اور 1857ء کے سانحے نے اس نسل کے بہت سے مراکز کو منتشر کر دیا، اور فیض دیوبند و سہارنپور جیسے نئے شہروں میں منتقل ہوا۔ اس کے باوجود تناسب سے دیکھا جائے تو ان کے اثرات ان کی عمر سے کہیں بڑے ہیں: انہوں نے زوال پذیر دہلی سے وہ نسل تیار کی جس نے اگلے سو سال کے لیے برصغیر کے حدیثی نقشے کی بنیاد رکھی۔ تاریخ میں ایسی شخصیات کو 'واسطۃ العقد' یعنی درمیانی موتی کہا جاتا ہے؛ شاہ ولی اللہ کا دور ان سے پہلے ہے اور دیوبند کا دور ان کے بعد، اور دونوں کے درمیان شاہ اسحٰق ہی وہ موتی ہیں جن کے بغیر یہ لڑی ٹوٹ جاتی۔

نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ شاہ اسحٰق دہلوی کے مرکزِ حدیث کے نتائج تین بڑی صورتوں میں ظاہر ہوئے: اسنادِ ہند کا ایک مرکزی سلسلے میں متحد ہو جانا، تلامذہ کے ذریعے دہلی، سہارنپور، مکہ و مدینہ سمیت مراکز کا جال بن جانا، اور تدریس و تصحیحِ متن کی مضبوط روایت کا قائم ہو جانا۔ ان کے اثرات دیوبند، مظاہر علوم اور اہلِ حدیث کے مراکز تک میں سندی طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے کوئی بڑی تصنیف اپنے نام سے مشہور نہیں کی، مگر محدثین کی ایک نسل تیار کر دی — اور علم کی دنیا میں یہی سب سے بڑی تصنیف ہوتی ہے۔

سوال نمبر3: تقسیمِ ہند کے بعد قائم ہونے والے مدارس و جامعات (20نمبر)

سوال نمبر3۔ تقسیمِ ہند کے بعد جو مدارس اور جامعات قائم ہوئے ان کا مختصر تعارف بیان کریں۔(20)

تعارف

1947ء کی تقسیم نے برصغیر کے علمی نقشے کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ دہلی، دیوبند، سہارنپور اور لکھنؤ کے تاریخی مراکز بھارت میں رہ گئے، جبکہ پاکستان بننے والے علاقوں میں بڑے مدارس تقریباً نہ ہونے کے برابر تھے۔ ہجرت کر کے آنے والے علماء اور مقامی اہلِ خیر نے چند ہی برسوں میں کراچی، لاہور، ملتان، راولپنڈی اور دیگر شہروں میں ایسے ادارے کھڑے کر دیے جو آج عالمِ اسلام کے بڑے علمی مراکز میں شمار ہوتے ہیں۔ اس سوال میں انھی مدارس و جامعات کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا۔ تعارف کا اصول یہ رکھا گیا ہے کہ ادارے کا نام، شہر، قیام کا پس منظر اور اس کی نمایاں پہچان بیان کی جائے؛ جہاں قیام کا سال معروف و مستند ہے وہ درج کیا گیا ہے اور جہاں روایت میں وسعت ہے وہاں سال کے بجائے دور کا ذکر کافی سمجھا گیا ہے۔

پس منظر: خلا اور اس کا پُر ہونا

تقسیم کے فوراً بعد کا سب سے بڑا مسئلہ اساتذہ و طلبہ کی ہجرت اور اداروں کا انہدام تھا۔ بہت سے علماء اپنے کتب خانے اور اسناد پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ مگر اس خلا کو پُر کرنے کی رفتار حیران کن رہی، کیونکہ قیام کی بنیاد تین چیزیں تھیں: مہاجر علماء کی مہارت، مقامی تاجروں و اہلِ خیر کی سرپرستی، اور عوام کا وہ جذبہ جو نئے ملک میں دینی تعلیم کو اپنی پہچان سمجھتا تھا۔ کراچی چونکہ پہلا دارالحکومت اور مہاجرین کا سب سے بڑا شہر تھا، اس لیے سب سے پہلے اور سب سے بڑے ادارے وہیں قائم ہوئے۔ لاہور پنجاب کا علمی دل تھا، اس لیے وہاں اشرفیہ جیسے ادارے تقسیم کے ساتھ ہی کھڑے ہو گئے۔ ملتان و بہاولپور کے پرانے خانقاہی و مدرسی مراکز نے جنوبی پنجاب کو سنبھالا، اور سرحد و بلوچستان میں مقامی مدارس کا سلسلہ آہستہ آہستہ منظم ہوا۔ وفاق المدارس العربیہ (قیام 1959ء) جیسی تنظیم نے بعد میں ان اداروں کو نصاب و امتحان کے ایک نظام میں جوڑا، جس سے مدارس کا یہ بکھرا ہوا جال ایک منظم تعلیمی شعبہ بن گیا۔

کراچی کے ادارے

کراچی کے اداروں میں سب سے نمایاں دار العلوم کراچی ہے جس کا قیام 1951ء میں مفتی محمد شفیع نے نانک واڑہ سے شروع کر کے کورنگی کے وسیع کیمپس کی صورت میں کیا۔ یہ پاکستان کا سب سے بڑا دینی ادارہ شمار ہوتا ہے، جہاں درسِ نظامی، دورۂ حدیث، تخصصات اور تحقیقی شعبے چلتے ہیں۔ دوسرا بڑا نام جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن ہے جس کی بنیاد مولانا محمد یوسف بنوری نے 1950ء کی دہائی میں رکھی؛ یہ ادارہ حدیث اور معارف السنن جیسی تصنیفی روایت کے لیے مشہور ہے۔ جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کی بنیاد مولانا سلیم اللہ خان نے رکھی، جو بعد میں وفاق المدارس کے صدر بھی رہے؛ یہ ادارہ تنظیم نصاب کے اعتبار سے نمایاں ہے۔ جامعہ دار العلوم صدیقیہ مومن آباد، جامعہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن (بنوری ٹاؤن سے پہلے کا مرکز)، دار العلوم امجدیہ اور کئی تخصصی ادارے بھی کراچی کے علمی ماحول کا حصہ ہیں۔ کراچی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں ہر بڑے مکتبِ فکر کے ادارے موجود ہیں، اور ان کے درمیان علمی مکالمے نے شہر کو ایک زندہ علمی منڈی بنا دیا ہے۔

لاہور و پنجاب کے ادارے

لاہور میں جامعہ اشرفیہ کا قیام تقسیم کے فوراً بعد 1947ء میں مفتی محمد حسن کی کوششوں سے عمل میں آیا؛ یہ پنجاب کا سب سے معروف ادارہ ہے، جس سے مدارس کا ایک پورا سلسلہ وابستہ ہے۔ جامعہ مدنیہ (کریم پارک و جدید کیمپس) کا سلسلہ بھی تقسیم کے بعد کے دور میں منظم ہوا اور دورۂ حدیث میں اس کا نام آتا ہے۔ جامعہ نعیمیہ و جامعہ نظامیہ رضویہ جیسے ادارے بریلوی مکتب کے بڑے مراکز ہیں جن میں حدیث کا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ دار العلوم حزب الاحناف اور دیگر قدیم لاہوری ادارے بھی اسی فضا کا حصہ ہیں۔ گوجرانوالہ میں مولانا محمد سرفراز خان صفدر کا ادارہ و درس گاہ، فیصل آباد میں جامعہ قاسمیہ و دیگر مدارس، ملتان میں جامعہ خیر المدارس (جس کا قیام بھی تقسیم کے بعد کے ابتدائی دور میں ہوا اور جنوبی پنجاب کا سب سے بڑا مرکز بنا) اور بہاولپور کی جامعات و مدارس اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔ راولپنڈی میں دار العلوم تعلیم القرآن راجہ بازار کی روایت بھی ہجرت کے بعد منظم ہوئی اور شمالی پنجاب میں اس کا فیض پھیلا۔

دیگر صوبوں کے ادارے اور جامعات

خیبر پختونخوا میں دار العلوم اسلامیہ پشاور، جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور ضلعی سطح کے مدارس نے سرحدی علاقوں میں تعلیم کو سنبھالا؛ حقانیہ کا قیام بھی آزادی کے آس پاس کے دور میں ہوا اور یہ صوبے کا سب سے بڑا ادارہ بنا۔ بلوچستان میں کوئٹہ کے مدارس اور ضلعی درس گاہوں کا جال آہستہ پھیلا۔ سندھ کے اندرونی شہروں میں سکھر، لاڑکانہ اور حیدرآباد کے مدارس نے مقامی طلبہ کو اپنے صوبے ہی میں تعلیم کا موقع دیا۔ دینی مدارس کے ساتھ ساتھ سرکاری جامعات میں بھی شعبہ ہائے علوم اسلامیہ قائم ہوئے: پنجاب یونیورسٹی، کراچی یونیورسٹی، پشاور یونیورسٹی اور بعد میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد (قیام 1980ء) نے ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر حدیث سمیت اسلامی علوم کی تدریس و تحقیق شروع کی۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی نے فاصلاتی تعلیم کے ذریعے یہ علوم گھر بیٹھے طلبہ تک پہنچائے — یہی وہ ادارہ ہے جس کا یہ کورس پڑھایا جا رہا ہے، اور اس کا علوم اسلامیہ کا شعبہ اسی تقسیم کے بعد کی علمی توسیع کا حصہ ہے۔

جدول 1: تقسیم کے بعد کے نمایاں ادارے — مختصر تعارفی خاکہ

پہچان	قیام / دور	شہر	ادارہ
پنجاب کا مرکزی ادارہ؛ مدارس کا وسیع سلسلہ	1947ء	لاہور	جامعہ اشرفیہ
پاکستان کے بڑے اداروں میں سرِ فہرست؛ تخصصات و تحقیق	1951ء	کراچی	دار العلوم کراچی
دورۂ حدیث اور شرحِ ترمذی کی روایت	1950ء کی دہائی	کراچی	جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن
جنوبی پنجاب کا بڑا مرکز	تقسیم کے بعد کا ابتدائی دور	ملتان	جامعہ خیر المدارس

تنظیم، نصاب اور وفاق سے قریبی ربط	بعد کے عشروں میں توسیع	کراچی	جامعہ فاروقیہ
جامعاتی سطح کی تدریس و تحقیق؛ بین الاقوامی طلبہ	1980ء	اسلام آباد	بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی

ان اداروں کی مشترکہ خصوصیات

ان تمام اداروں میں چند خصوصیات مشترک ہیں جو طالب علم کو نوٹ کرنی چاہئیں۔ اول، نیام کا ترک تقسیم کا خلا تھا، مگر بقا کا راز عوامی سرپرستی نکلا؛ یہ ادارے حکومتی بجٹ کے بجائے وقف، زکاۃ و عطیات اور مخیر حضرات کے تعاون سے چلتے ہیں۔ دوم، نصاب میں درسِ نظامی کی بنیاد برقرار رکھی گئی اور دورۂ حدیث کو اس کا اختتام بنایا گیا، البتہ وقت کے ساتھ کمپیوٹر، انگریزی اور تخصصات (افتاء، حدیث، معیشت) کا اضافہ ہوا۔ سوم، ان اداروں نے ہاسٹل و مطبخ کے نظام سے غریب طلبہ کے لیے تعلیم مفت کر دی، جس سے دینی تعلیم طبقاتی نہیں رہی۔ چہارم، ان کے فارغین نے خود آگے چھوٹے مدارس کھولے، یوں ایک ادارے سے درجنوں ادارے نکلے اور یہی ضرب آج پاکستان میں مدارس کی بڑی تعداد کی وجہ ہے۔ پنجم، جامعات نے ڈگری و تحقیق کا وہ درجہ دیا جو مدارس کے پاس نہیں تھا؛ دونوں کے امتزاج سے پاکستان کا علمی نظام مکمل ہوا، اگرچہ دونوں کے درمیان نصاب و سند کی ہم آہنگی آج بھی جاری بحث ہے۔

نتیجہ

مختصر یہ کہ تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان میں قائم ہونے والے مدارس و جامعات محض نئے ادارے نہیں، ایک تہذیبی بحالی کا نام ہیں۔ کراچی کے دارالعلوم و بنوری ٹاؤن، لاہور کی اشرفیہ، ملتان کی خیر المدارس، اکوڑہ خٹک کی حقانیہ اور اسلام آباد کی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی — ہر ادارہ اپنے شہر کی دینی پہچان بن گیا۔ ان اداروں نے اساتذہ پیدا کیے، کتابیں چھاپیں، اسناد جاری کیں اور لاکھوں طلبہ کو تعلیم دی۔ جس خلا سے 1947ء میں آغاز ہوا تھا، وہ چند عشروں میں برصغیر کے سب سے وسیع مدرسی جال میں تبدیل ہو گیا — یہی اس تعارف کا مرکزی نکتہ ہے۔

سوال نمبر 4: علم حدیث کی اشاعت میں دینی مدارس کا کردار (20 نمبر)

سوال نمبر 4۔ علم حدیث کی اشاعت میں دینی مدارس کے کردار پر تفصیلی مضمون لکھیں۔ (20)

تعارف

نوٹ: یہ سوال اسی مشق کے دوسرے حصے میں دوبارہ آیا ہے (مشق نمبر 1 کے سوال نمبر 2 کے عین اسی عنوان کے ساتھ)، اس لیے اس جواب کو اس زاویے سے لکھا گیا ہے کہ پہلے جواب کے تاریخی کردار کے بعد اب مدارس کے کردار کا تجزیاتی و عصری جائزہ پیش کیا جائے، تاکہ دونوں جوابات ایک دوسرے کی تکمیل کریں اور طالب علم کو موضوع کے نئے پہلو ملیں۔ علمِ حدیث ایک ایسا علم ہے جو محض کتاب سے زندہ نہیں رہتا؛ اسے پڑھانے والا استاد، لینے والا طالب علم، سند دینے والا نظام اور چھاپنے والا ادارہ درکار ہوتا ہے۔ دینی مدارس برصغیر میں یہ چاروں چیزیں فراہم کرنے والا واحد مستقل ادارہ رہے ہیں۔ اس مضمون میں مدارس کے کردار کو اس کے اجزا میں کھول کر دیکھا جائے گا: نظام، اساتذہ، طلبہ، کتب اور معاشرہ، اور پھر اس کردار کی قوت و محدودیت کا متوازن تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

کردار کا پہلا جز: تدریس کا باقاعدہ نظام

مدرسے کی پہلی خصوصیت اس کا نصابی تسلسل ہے۔ طالب علم ابتدائی صرف و نحو سے چل کر فقہ و اصول پڑھتا ہوا دورۂ حدیث تک پہنچتا ہے، جہاں اسے پورے ذخیرۂ حدیث کا منظم مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ اس تدریج کا فائدہ یہ ہے کہ حدیث پڑھنے والا پہلے زبان، استدلال اور فقہی تناظر سیکھ چکا ہوتا ہے، اس لیے متن اس کے لیے محض الفاظ نہیں رہتا۔ مدارس نے تدریس کے اوقات، امتحانات، سالانہ تکمیل اور ختمِ بخاری جیسی تقاریب سے اس نظام کو سماجی وقار بھی دیا۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ نصابی جمود کا الزام مدارس پر لگتا رہا ہے؛ بعض ادوار میں نصاب میں منتخب کتابوں پر اکتفا ہو گیا اور صحاح کی مکمل تدریس کمزور پڑ گئی۔ مگر انیسویں صدی کے بعد کے مدارس نے دورۂ حدیث کو مضبوط کر کے اس کمی کو بڑی حد تک دور کیا اور آج کے پاک و ہند کے بڑے مدارس میں صحاحِ ستہ کا پورا دورہ معمول ہے۔ اس طرح مدرسے کا کردار جامد نہیں، ارتقائی رہا ہے؛ وہ ہر دور میں اپنے نصاب کی کمزوری پہچان کر اسے دور کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

کردار کا دوسرا جز: سند، رجال اور تنقیدی شعور

حدیث کا مخصوص فن اس کی اسناد و رجال کی جانچ ہے، اور یہ فن صرف مدارس میں سکھایا جاتا رہا ہے۔ دورۂ حدیث کے ساتھ طلبہ اصولِ حدیث، اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کی کتابیں پڑھتے ہیں، استاد سے اجازہ لیتے ہیں اور اپنے اساتذہ کے ثبت محفوظ رکھتے ہیں۔ اس تربیت کا ایک بڑا ثمر یہ ہے کہ مدارس کے فارغین کے پاس ہر حدیث کے بارے میں یہ جاننے کا ذوق موجود ہوتا ہے کہ اس کا ماخذ کیا ہے اور اس کا درجہ کیا ہے۔ عوامی زندگی میں اس کا اثر یوں ظاہر ہوتا ہے کہ جمعہ کے خطیب اور واعظ مدارس کے فارغ ہوتے ہیں، اس لیے مساجد میں بیان ہونے والی احادیث کا بڑا حصہ مستند مآخذ سے آتا ہے۔ جہاں یہ تربیت میں کمی رہ جائے وہاں ضعیف و من گھڑت روایات بھی پھیل جاتی ہیں، اور ان کی اصلاح بھی بالآخر مدارس ہی کے اہلِ علم کرتے ہیں؛ تنقیدی شعور کا یہ نظام خود اصلاحی (self-correcting) ہے۔ یونیورسٹیوں میں حدیث کی تحقیق اس نظام کی تکمیل کرتی ہے، بنیاد نہیں بنتی — بنیاد آج بھی مدرسے کا درس ہے۔

کردار کا تیسرا جز: کتب، شروح اور لائبریریاں

مدارس نے حدیث کی کتابوں کو تین سطحوں پر زندہ رکھا ہے۔ پہلی سطح حفاظت کی ہے: کتب خانوں میں قلمی و مطبوعہ نسخے محفوظ کیے گئے، اساتذہ نے نسخوں کی تصحیح کی اور طلبہ نے مقابلہ کر کے اغلاط دور کیں۔ دوسری سطح شرح و توضیح کی ہے: برصغیر کی اکثر بڑی شروحِ حدیث اساتذۂ مدارس نے لکھیں، کیونکہ ان کا ماخذ درس کے سوالات و اشکالات تھے؛ درس سے پیدا ہونے والی شرح طالب علم کی اصل ضرورت کو سامنے رکھتی ہے، اس لیے وہ زندہ رہتی ہے۔ تیسری سطح اشاعت و ترجمے کی ہے: مدارس سے وابستہ اداروں نے صحاح کے نصوص، اردو تراجم، درسی حواشی اور تقریرات چھاپ کر حدیث کو بازار و گھر تک پہنچایا۔ دورِ جدید میں اس کام میں ادارہ جاتی تحقیق، اشاریہ سازی اور ڈیجیٹل نسخے بھی شامل ہو گئے ہیں، مگر ان کا مواد بھی زیادہ تر انہی قلمی و درسی مساعی سے تیار ہوا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ آج جو حدیث ہمارے ہاتھ میں ہے، اس کے پیچھے سینکڑوں مدرسی کتب خانوں اور ہزاروں اساتذہ کی محنت کھڑی ہے۔

جدول 1: مدارس کے کردار کے اجزا اور ان کے ثمرات

ثمرہ	مدرسے کا کام	جز
ہر نسل میں حدیث سے واقف علماء کی تیاری	دورۂ حدیث میں صحاحِ ستہ کی مکمل تدریس	نصاب و تدریس
رسول اللہ ﷺ تک متصل سندی تسلسل کی حفاظت	سماع، قراءت اور ثبت کا نظام	اسناد و اجازہ
نئے مدارس و حلقوں کا قیام	تخصص و تدریبِ اساتذہ	اساتذہ سازی
حدیث کی عوامی دسترس	شروح، ترا[illegible]ت کی تیاری و طباعت	اشاعت و شرح
سنت کا معاشرتی زندگی میں نفوذ	خطابت، افتاء، دروسِ عامہ	سماجی خدمت

کردار کا چوتھا جز: معاشرے سے ربط

مدرسہ برصغیر میں کبھی معاشرے سے کٹی ہوئی خانقاہ نہیں رہا۔ اس کے فارغین محلے کے امام، قصبے کے مدرس، شہر کے مفتی اور گاؤں کے معلم بنتے ہیں؛ اس کے طلبہ جمعہ پڑھاتے ہیں، نکاح و جنازہ پڑھاتے ہیں، اور روزمرہ کے مسائل میں حدیث کی روشنی میں رہنمائی دیتے ہیں۔ سالانہ جلسے، ختمِ بخاری اور شبینہ جات میں ہزاروں عام لوگ شریک ہوتے ہیں اور حدیث سنتے ہیں۔ مدارس کا یہ سماجی کردار حدیث کی اشاعت کا سب سے وسیع ذریعہ ہے، کیونکہ کتاب پڑھنے والے ہمیشہ کم ہوتے ہیں، سننے والے زیادہ۔ خواتین کی تعلیم کے لیے بنات کے مدارس نے بھی پچھلی نصف صدی میں بڑا کام کیا ہے؛ ان کے ذریعے حدیث و سیرت کی تعلیم گھروں کے اندر تک پہنچی ہے، جس کا اثر اگلی نسل کی تربیت پر پڑ رہا ہے۔ اسی طرح مدارس کے زیرِ انتظام یتیم خانے، رفاہی ادارے اور کلینک حدیث کی اس تعلیم کو عملی کرتے ہیں جس میں خدمتِ خلق کو عبادت کا حصہ بتایا گیا ہے۔

تنقیدی جائزہ: قوت اور محدودیت

متوازن تجزیے کے لیے دونوں پہلو دیکھنے ضروری ہیں۔ قوت کے پہلو واضح ہیں: مدارس نے سرپرستی کے خاتمے کے بعد بھی علم کو زندہ رکھا، مفت تعلیم سے طبقاتی رکاوٹ ختم کی، اسناد کا عالمی نظام محفوظ کیا اور تصنیف و تدریس کا تسلسل قائم رکھا۔ محدودیت کے پہلو بھی اہلِ مدارس خود تسلیم کرتے ہیں: تحقیق و تخریج کے جدید وسائل کا استعمال کم رہا ہے، غیر ملکی زبانوں میں حدیث کی پیش کش محدود ہے، مخطوطات کی اشاعت کی رفتار سست ہے، اور بعض چھوٹے مدارس میں اساتذہ کی کمی کی وجہ سے دورۂ حدیث کا معیار یکساں نہیں رہتا۔ جدید جامعات کے ساتھ تعاون، مشترکہ تحقیقی منصوبے اور ڈیجیٹل لائبریریوں تک رسائی اس کمی کو دور کرنے کے راستے ہیں جن پر کام شروع ہو چکا ہے۔

اس تجزیے کا مقصد یہ سمجھانا ہے کہ مدارس کا کردار تاریخی حقیقت بھی ہے اور جاری عمل بھی؛ اسے صرف ماضی کی تعریف یا صرف حال کی تنقید سے نہیں سمجھا جا سکتا۔

نتیجہ

نتیجہ یہ ہے کہ علمِ حدیث کی اشاعت میں دینی مدارس کا کردار چار نظاموں کا مجموعہ ہے: تدریس کا نظام، اسناد کا انتظام، کتب و شروح کا نظام، اور معاشرتی رہنمائی کا نظام۔ ان چاروں کے بغیر برصغیر میں حدیث کا وہ مقام ممکن نہیں تھا جو آج ہے۔ پہلے جواب میں اس کردار کی تاریخی شاہراہ دکھائی گئی تھی؛ اس جواب میں اس کی ساخت اور عصری صورت سامنے آئی ہے۔ دونوں مل کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ مدرسہ برصغیر کی علمی بقا کا سب سے بڑا ادارہ ہے، اور علمِ حدیث اس کی سب سے قیمتی امانت۔ اس امانت کی اگلی منزل تحقیق و اشاعت کے نئے وسائل سے جڑی ہے، جن کا جائزہ اس مشق کے آخری سوال میں آئے گا۔

سوال نمبر 5: جدید جامعات کا کردار اور تحقیق: تجزیاتی نوٹ (20 نمبر)

سوال نمبر 5۔ جدید جامعات کے کردار اور تحقیق کے بارے میں تجزیاتی نوٹ لکھیں۔ (20)

تعارف

جدید جامعات سے مراد اس مضمون میں وہ یونیورسٹیاں اور اعلیٰ تعلیمی ادارے ہیں جن میں علومِ اسلامیہ، خصوصاً قرآن و حدیث، باقاعدہ شعبہ جات، ڈگری پروگراموں اور تحقیقی مجلات کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں۔ برصغیر میں یہ نظام نوآبادیاتی دور میں شروع ہوا: علی گڑھ، ڈھاکہ، پنجاب اور دیگر یونیورسٹیوں میں عربی و اسلامیات کے شعبے بنے، اور آزادی کے بعد پاکستان و بھارت دونوں میں ان شعبوں نے توسیع پائی۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، معہد و ادارہ جاتِ تحقیقات، اور اوپن یونیورسٹی کے فاصلاتی نظام نے اسے نئی صورتیں دیں۔ اس نوٹ میں جامعات کے کردار کے تین پہلوؤں — تدریس، تحقیق اور سماجی خدمت — کا تجزیہ کیا جائے گا، ان کی خدمات و خامیوں کا متوازن جائزہ لیا جائے گا، اور آخر میں مدارس و جامعات کے باہمی تعلق پر رائے پیش کی جائے گی، کیونکہ تجزیاتی نوٹ کا تقاضا یہی ہے کہ محض تعریف یا محض تنقید نہ ہو بلکہ دونوں کا جائزہ ہو۔

تدریس کے میدان میں جامعات کا کردار

جامعات نے حدیث کو دو نئے دائروں تک پہنچایا: ایک وہ طلبہ جو کالج و یونیورسٹی نظام سے آتے ہیں اور مدرسے نہیں جاتے، اور دوسرے سرکاری ملازمتوں و اسکول و کالج کی تدریس سے وابستہ اساتذہ۔ بی ایس، ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے نصابوں میں تاریخِ حدیث، اصولِ حدیث، مطالعۂ سیرت اور منتخب متون شامل ہوتے ہیں؛ طلبہ سمسٹر نظام، اسائنمنٹس اور سیمینارز کے ذریعے موضوعات سے واقف ہوتے ہیں۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا کردار اس ضمن میں خاص ہے، کیونکہ اس نے فاصلاتی نظام سے وہ خواتین و ملازمت پیشہ افراد بھی شامل کر لیے جو باقاعدہ حاضری نہیں دے سکتے؛ یہی کورس (2911) اسی نظام کا حصہ ہے اور اس کی اسائنمنٹس اسی تدریسی ماڈل کی مثال ہیں۔ تاہم تجزیاتی طور پر یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ جامعات کی تدریس میں متن خوانی اور اسناد کی عملی مہارت مدارس کی نسبت کم ہوتی ہے؛ طالب علم حدیث کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے، مگر حدیث پڑھنے پڑھانے کی وہ ملکہ جو سال بھر کے درس سے بنتی ہے، عام طور پر نصاب میں شامل نہیں۔ یہی وہ خلا ہے جسے بعض جامعات نے مدارس کے ساتھ معاہدوں اور مصروف اساتذہ کے تبادلے سے پُر کرنے کی کوشش کی ہے۔

تحقیق کے میدان میں خدمات

جامعات کی سب سے اصل خدمت تحقیق ہے، کیونکہ تحقیق ان کا ادارہ جاتی فریضہ ہے۔ اس کے نمایاں کام یہ ہیں: اول، مقالات و تحقیقات — ایم فل و پی ایچ ڈی کے سینکڑوں مقالے حدیث کے موضوعات پر لکھے جا چکے ہیں، جن میں شخصیات، کتب، رجال، موضوعاتی مطالعے اور علاقائی تاریخ شامل ہیں؛ برصغیر میں علمِ حدیث کی تاریخ پر لکھے گئے انگریزی و اردو مقالات اسی نظام کی پیداوار ہیں۔ دوم، مجلات — جامعاتی تحقیقی اداروں کے مجلات (مثلاً اسلام آباد و لاہور و کراچی کے تحقیقی جرائد) نے حدیث پر مقالات شائع کر کے ایک مستقل علمی گفتگو قائم رکھی ہے۔ سوم، مخطوطات کی تحقیق و اشاعت — جامعات کی لائبریریوں میں موجود قلمی نسخوں کی فہرست سازی، ایڈیٹنگ اور طباعت کا کام آہستہ مگر مسلسل جاری ہے۔ چہارم، کانفرنسیں و سیمینار — قومی و بین الاقوامی کانفرنسوں میں حدیث کے معاصر مسائل، مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات اور ڈیجیٹل وسائل پر مباحث ہوتے ہیں۔ پنجم، بین العلومی ربط — حدیث کا مطالعہ تاریخ، سماجیات، لسانیات اور کمپیوٹر سائنس سے جڑا ہے؛ متن کے ڈیٹا بیس، تخریج کے سافٹ ویئر اور اسناد کے نیٹ ورک تجزیے جیسے کام جامعات ہی کے ماحول میں ممکن ہوئے ہیں۔

کردار کا تجزیہ: خدمات اور خامیاں

تجزیے کا پہلا نکتہ یہ ہے کہ جامعات نے حدیث کو ’علم کے بارے میں علم‘ سے ’علم کی تحقیق‘ تک بڑھایا ہے؛ ذرائع کی تنقید، حوالہ جات کا نظام، اور تحقیقی طریق کار (research methodology) ان کی دین ہے۔ دوسرا نکتہ رسائی ہے: جامعات کے قاری و محقق کی زبان اردو و انگریزی ہے، اس لیے ان کی تحقیق بین الاقوامی دنیا تک پہنچتی ہے، جہاں مدارس کی عربی و فارسی روایت کم پہنچ پاتی ہے۔ تیسرا نکتہ سرکاری سند ہے: جامعات کی ڈگریاں اساتذہ، محققین اور پالیسی اداروں کے لیے اہلیت بنتی ہیں، اس سے علومِ حدیث کو ریاستی نظام میں جگہ ملتی ہے۔ خامیوں میں اول یہ کہ تحقیق کا بڑا حصہ ڈگری کی ضرورت تک محدود رہتا ہے اور شائع ہونے کے بعد علمی دنیا میں اس کا استعمال کم ہوتا ہے؛ دوم، فنڈز و لائبریری وسائل کی کمی سے مخطوطات و تراجم کے بڑے منصوبے سست رہتے ہیں؛ سوم، جامعات و مدارس کے درمیان بدگمانی یا عدم ربط کی وجہ سے

دونوں کی قوتیں یکجا نہیں ہو پاتیں؛ چہارم، بعض اوقات تحقیق کا موضوع مقامی ضرورت کے بجائے رجحاناتی فیشن سے منتخب ہوتا ہے۔ یہ خامیاں نظام کی ہیں، افراد کی نہیں، اور ان کا حل بھی نظام ہی کی اصلاح میں ہے۔

مدارس اور جامعات: تقابل کے بجائے تکمیل

اس نوٹ کا مرکزی تجزیاتی نکتہ یہ ہے کہ مدارس و جامعات کو حریف نہیں علمی ادارے سمجھنا چاہیے۔ مدرسہ متن، سند اور استاد کی روایت دیتا ہے؛ جامعہ تحقیق، طریق کار اور عالمی مکالمے کی زبان دیتی ہے۔ برصغیر کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب دونوں دھارے قریب آئے تو بہترین کام ہوا: مدارس کے اساتذہ نے جامعات سے ڈگریاں لیں، جامعات کے اساتذہ نے مدارس کے دورے کیے، اور مشترکہ منصوبوں میں کتب کی تحقیق و اشاعت ہوئی۔ مستقبل کے لیے تین تجاویز اس تجزیے سے نکلتی ہیں: اول، نصاب کی ہم آہنگی — جامعات کے حدیث نصاب میں متنی مطالعے کا تناسب بڑھایا جائے اور مدارس میں تحقیقی طریق کار کو تخصصات کا حصہ بنایا جائے۔ دوم، مشترکہ لائبریری و ڈیجیٹل ذخیرہ — دونوں نظاموں کے کتب خانے اور مخطوطات کو ایک قابلِ تلاش ڈیجیٹل نظام سے جوڑا جائے تاکہ محقق کو ہر نسخہ ایک جگہ میسر ہو۔ سوم، ترجمہ و پیش کش — مستند تحقیقات کا انگریزی و دیگر زبانوں میں ترجمہ اور عام قاری کے لیے سادہ پیش کش، تاکہ تحقیق لائبریری سے نکل کر معاشرے تک جائے۔ یہ تجاویز کسی حکم کے طور پر نہیں، اس کورس کے طالب علم کے غور کے لیے پیش کی گئی ہیں۔

جدول 1: مدارس اور جامعات — کردار کا تقابلی خاکہ

پہلو	دینی مدارس	جدید جامعات
بنیادی طاقت	متن، سند، استاد شاگرد روایت	تحقیق، طریق کار، حوالہ جاتی نظام
تدریس کی صورت	سالانہ دورہ، درس و سماع	سمسٹر نظام، لیکچر و سیمینار
تحقیق کی صورت	شروح، تقریرات، فتاویٰ	مقالات، مجلات، کانفرنسیں

اردو، انگریزی؛ قومی و عالمی حلقے	عربی، اردو، فارسی؛ دینی حلقے	زبان و رسائی
متنی مہارت و اسناد کی روایت	تحقیقی وسائل و ڈیجیٹل نظام	باہمی ضرورت

مستقبل کی سمت

مستقبل میں جامعات کا کردار تین سمتوں میں بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ پہلی سمت ڈیجیٹل تحقیق ہے: حدیث کے متون، اسناد اور رجال کے ڈیٹا بیس بن رہے ہیں، اور مصنوعی ذہانت کے وسائل سے تخریج و موازنہ آسان ہو رہا ہے؛ جامعات کو اس میں قیادت کرنی ہے تاکہ یہ وسائل مستند اہلِ علم کی نگرانی میں رہیں۔ دوسری سمت بین الاقوامی تعاون ہے: تبادلۂ اساتذہ، مشترکہ ڈگریاں اور عالمی کانفرنسیں پاکستانی تحقیق کو دنیا سے جوڑ رہی ہیں۔ تیسری سمت معاشرتی خدمت ہے: سیرت و حدیث پر مبنی نصابی و تربیتی پروگرام، میڈیا کے لیے مستند مواد کی فراہمی اور عوامی سوالات کے علمی جوابات — یہ سب جامعات کے ’تیسرے مشن‘ میں شامل ہو رہے ہیں۔ ان سمتوں کی کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے جب جامعہ اپنی جڑیں اس سرزمین کی علمی روایت سے کاٹے نہیں؛ روایت سے جُڑی جدت ہی پائیدار ہوتی ہے، اور برصغیر میں حدیث کی روایت کی جڑیں دہلی و دیوبند سے ہوتی ہوئی مکہ و مدینہ تک جاتی ہیں — جامعات کا کام اس لڑی کو توڑنا نہیں، اس میں تحقیق کا نیا موتی پرونا ہے۔

نتیجہ

خلاصہ یہ کہ جدید جامعات نے علمِ حدیث کو ڈگری، تحقیق اور عالمی مکالمے کے نظام سے جوڑ کر اس کی اشاعت کو نئی وسعت دی ہے۔ ان کی خدمات تدریس کی رسائی، تحقیقی مقالات و مجلات، مخطوطات کی اشاعت اور بین العلومی تجزیے میں ظاہر ہیں؛ ان کی خامیاں وسائل کی کمی، مدارس سے کم ربط اور تحقیق کے محدود استعمال میں ہیں۔ تجزیاتی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ برصغیر میں علمِ حدیث کا مستقبل مدارس و جامعات کی تکمیل میں ہے: مدرسہ اسے زندہ روایت بنائے رکھے اور جامعہ اسے زندہ تحقیق بنائے۔ طالب علم کے لیے اس نوٹ کا سبق یہ ہے کہ وہ جدت و روایت کو تصادم نہ سمجھے بلکہ ایک ہی علم کے دو پہلو سمجھے۔